title - Preetam Tirangini
creator - Brij Mohan Witariya Kaifi
Publisher - George Steam Press (Lahore)
Date - 1922
Pages - 52
subject - Urdu Shayari - Masnawiyaat

جس میں

تمثیل اور استعارے کے پیرائے میں حسن اخلاق حسن سلوک روحانی
ترقی اور انتہائی مقصد زندگی کے وہ عالمگیر اصول مذکور ہیں جن کا
اطلاق عامہ خلائق پر ہے

از

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

مصنف
بھارت درپن۔ راج دلاری۔ مراری دادا۔ تزک قیصری۔ عورت اور اسکی تعلیم وغیرہ

پہلا ایڈیشن

سنہ ۱۹۲۲ء

بارج سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ ایشر داس پرنٹر چھپا

دیباچہ

عرصہ سے یہ خیال ذہن میں پھر رہا تھا کہ زندگی کے معمولی تجربات جو اخلاقی و رُوحانی تو کیا مادّی ترقی اور کامیابی میں بھی حارج ہوتے ہیں۔ اُن سے ابنائے جنس کو کس طرح بچایا جائے + "دُودھ کا جلا چھاچھ پھُونک پھُونک کر پیتا ہے" ایک کہنے بھر کی بات ہے۔ لوگ روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فلاں فعل سے اُس شخص پر یہ آفت آئی لیکن کم ہیں جو ویسے ہی موقع پر اُس سے پرہیز کرنے پر قادر ہوں + کبھی سوچتا کہ زبردست دلائل سے بھری ہوئی ایک کتاب لکھی جائے پھر کہتا کہ ایسی کتابیں پہلے سے موجود ہیں + کبھی یہ ارادہ ہوتا کہ نظم سے مدد لوں اور جو دل میں بھرا ہے نہایت دلاویز پیرایہ میں کہہ سناؤں۔ اس پر بھی من نہ مانا اور بول اُٹھا کہ کیا عجب جو پڑھنے والا میٹھے محاوروں اور خوش اسلوب بندشوں کے موہ میں پڑ کر وہاں کا وہیں رہ جائے + ایک مدّت اسی کشمکش و پیچ میں گذری کہ حُسنِ اتفاق سے سنہ ۱۹۲۲ء کے موسمِ بہار میں اوّل مرتبہ میرا کشمیر جانا ہوا۔ حالانکہ میں کشمیری الاصل ہوں لیکن کئی پشتیں گذریں بزرگ کشمیر سے آکر دہلی میں رہے اور وہیں کے ہو گئے +

راولپنڈی میں ریل کو خیرباد کہہ کر بے پٹری ریل یعنی موٹر سے واسطہ پڑا + مری سے آگے چل کر وِتستا یعنی دریائے جہلم کی رُوپہری دھار نظر آئی + پوچھا یہ کونسا دریا ہے؟ لااُبالی سے جواب دیا گیا "جہلم"۔ اب یہ بارہ مولہ تک جو ہمارا پیچھا چھوڑے!

چنانچہ وہاں سے ایک تانگہ لیا پہلی منزل کے شروع میں ہی ثابت ہو گیا کہ اب اصلی سفر
شروع ہوا ہے تانگہ کا گھوڑا سست اور کمزور تھا۔ جگہ جگہ ٹھہر جاتا تھا۔ اس سے رستے
کے مقامات دیکھنے اور اکثر پیدل چلنے کا موقع ملا۔ میرے مشاہدہ اور تخیل کا مرکز دریا
تھا کیونکہ اسکی جاترا کا یہ حصہ اب تک میرے ذہن نشین نہ ہوا تھا۔ اس طرح سے سرینگر
پہنچنا ہوا اور وہاں خوش قسمتی سے دریا کے قریب ہی قیام ہوا۔ جاڑوں کے شروع
تک وہاں رہنا ہوا اور اس مدت میں دریا کا ابتدا سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا +
کائنات عالم میں دریا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی پیدائش، بچپن اور جوانی وغیرہ
تمام مختلف مدارج ظاہر دیکھے جا سکتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو +

مدت سے جس خیال میں غلطاں پیچاں تھا اور اس کے اظہار کا ذریعہ نہ ملتا تھا
اب وہ ہاتھ آ گیا + اس دریا کے جغرافیائی کوائف کے کامل مشاہدہ نے یہ سمجھایا کہ یہ
ہستی ہے جسے اپنے خیال کے اظہار کا آلہ بنایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ عمل میں آ سکے تو محض
ایک خیالی کہانی یا فلسفی کی چہ میگوئی متصور نہ ہوگی + چنانچہ کشمیر کے قیام کے زمانے میں
یہ نظم کہی گئی جو اب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ اگر اس نے چند سوتے
دلوں کو بھی جگا دیا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ ورنہ اپنے دل کو یہ اطمینان
ہے کہ اچھی بات کہنی اچھی ہے دیواروں سے ہی کیوں نہ کہی جائے +

میں نہیں کہہ سکتا کہ ادب اصطلاح فن کی رو سے اس مثنوی کی کیا [illegible] قرار دیں
اردو میں اس قسم کی نظم میرے دیکھنے میں تو نہیں آئی۔ نثر کی ایک کتاب نیرنگ
خیال ضرور موجود ہے مگر اسکا موضوع محض خیال پر مبنی نہیں ہے۔ تمثیلی تصانیف کو
انگریزی میں ایلیگری کہتے ہیں۔ اور سنسکرت میں روپک یا ناٹک و [illegible] سنسکرت

میں یہ صنعت جو اصل میں طویل استعارہ ہے بہت رائج ہے اگرچہ مکمل اور جامع تصانیف اس طرز کی کم ہیں پھر بھی پربودھ چندرودے جیسی کتابیں موجود ہیں + انگریزی میں اس قسم کی کئی کتابیں ملتی ہیں۔ نظم میں سپنسر۔ ڈنبر۔ ڈگلس۔ اور ٹینی سن وغیرہ نے اس طرز میں اکثر کتابیں لکھیں جن میں سے سپنسر کی "فیری کوئین" اور ٹینی سن کی "آئیڈلز آف دی کنگ" بہت مشہور ہیں + اور نثر میں جان بنین کی "پلگرمس پراگرس" اور ہولی وار۔ ایڈیسن کا "وژن آف مرزا" (جس کا ترجمہ نیرنگ خیال ہے) اور سوفٹ کی "ٹیل آف اے ٹب" وغیرہ وغیرہ مشہور اور مستند تصانیف ہیں + عربی اور فارسی میں بھی کلیلہ دمنہ۔ انوار سہیلی وغیرہ کتابیں اس قسم کی ملتی ہیں جو اصل میں سنسکرت سے ترجمہ کی گئیں +

لیکن پریم ترنگنی ان سب کتابوں سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کا ہیرو کوئی خیالی شخصیت نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی ہستی یعنی دریائے جہلم ہے + میں نے کوئی حالت اپنے ہیرو پر اپنی طرف سے کسی اصول کے اتباع کی ذیل میں وارد نہیں کی + جن محققوں نے اس دریا کو اس کے منبع سے لے کر دہانہ تک دیکھا ہے وہ تسلیم کریں گے کہ مصنف تصرف یا تجرجہ۔ تعمیہ کے الزام سے بری ہے + ہاں اس نے کچھ مداخلت کی ہے تو صرف اس قدر کہ اپنے ہیرو کو بروئے استعارہ یا تمثیل ان آزمائشوں میں ڈالا ہے جو ہر انسان کو وقتاً فوقتاً پیش آتی ہیں اور جن پر فتحیاب ہونے کے لئے دنیا کا فلسفہ اور مذہبی تلقین ہر ملک اور زمانے میں کوشش کرتے رہے ہیں + میں نے قدرتی مناظر اور جغرافیائی حقائق کی مناسبت کے ساتھ ان آزمائشوں میں سے نتائج نکالنے کی ایک

کہانی سنادی + اور یہ آزمائشیں ہرگز ایسی دقیق نہیں جنہیں کوئی نہ جانتا ہو -
مابعد الطبیعات کی موشگافیاں ہمارے ہیرو کو پیش نہیں آئیں - لوبھ (لالچ) موہ
(فنا و بقا کا علم نہ ہونا - روح و مادہ میں تمیز نہ کرنا) کام (خواہشات) کرودھ (جلالی
جذبات) اور اہنکار (خود بینی - تکبّر) یہ پانچ مشکلیں وہ ہیں جن کو سب بُرا سمجھتے
ہیں - مگر وہ یا اُن میں سے اکثر ہر سالک کے رُوحانی اور اخلاقی ارتقاء کے رستے
میں سدّ راہ ہوتی ہیں +

اس امتحان کے لئے کہیں اپنے ہیرو کو اسکے قدرتی رستے سے ہٹا کے گمراہ تو
نہیں کر دیا گیا ہوں میں نے اپنے کئی دوستوں کو اس نظم کا مسودہ دیا کہ وہ اسے
پڑھیں اور اس مبدا از استعارہ کو حل کر کے بتائیں کہ یہ سوانحات کس ذات سے
متعلق ہیں + حالانکہ وہ جید عالم تحقیقاتی اور علمی انجمنوں کی روح رواں -
سنسکرت سے واقف - انگریزی - فارسی اور اُردو کے فاضل یا منصبی حیثیت
سے تحقیق و دریافت میں ماہر تھے اور کتنی بار کا پچیدہ چیستاں کئی دفعہ اُن کی نظر سے
گذر چکا تھا مگر اس کے حل میں قاصر رہے + جب میں نے یہ معمّا حل کر کے دکھا یا
تو پھر اُنھوں نے نظر تنقید سے پڑھکر رائے دی کہ مضمون بالکل درست ہے -
اس مشورے کے نتیجے سے یہ ارادہ مصمم ہو گیا کہ دیباچہ میں حل دیدیا جائے - لغوی
اور تلمیحی دقّت رفع کرنے کو ایک فرہنگ اخیر میں دیدی +

اب اجازت دیجئے کہ آپ کو اپنے ہیرو کے ساتھ ساتھ لیجائیں تاکہ آپ خود
دیکھ لیں کہ وہ کن کن مشکلوں میں پھنسا لیکن اس نے اپنے اصُول کو ہاتھ سے نہ دیا اور
یہ شبہ بھی پیدا ہوا ہو تو رفع ہو جائے کہ اس نظم کی بعض نظریں میرے خیال کی ساختہ

پرداختہ ہیں +

بند ۱

وتستا کا منبع وتھ اتّرہ ویری ناگ ہے۔ جو ویری ناگ سے کچھ اوپر واقع ہے اسکے لفظی معنی ہیں بہت غل شور کرنے والا چشمہ۔ اور یہ اسم بامسمّٰی ہے اوّل بند کے چوتھے شعر تک اس کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے بعد اور جغرافیائی کوائف کا ذکر ہے۔ بہت سے ندی نالے اور چشموں کے پانی مثل ویرینا گ شیش ناگ اور مہا دیو وغیرہ وتستا میں آملتے ہیں + بارھویں شعر سے جن محسوسات کا ذکر ہے وہ ہونہار شخصیتوں میں عموماً پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مبصران علم معدنیات کا خیال ہے کہ اس قطعہ میں بہت سی قیمتی کانیں ہیں جس نے لکشمی یکش اور کویئر کی موجودگی برمحل قرار دی۔

بند ۲-۳

اب ہمارا ہیرو مدادی کشمیر میں داخل ہوتا ہے + جو دلکش نظارے اس نے یہاں دیکھے اُن کی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں۔ ہر زبان کے شاعر اور مصنف اسکی قدرتی دلفریبیوں کے مدّاح ہیں۔

اس چیستاں کے اتنے پیٹنے کی طور پر کئی لفظ ان دونوں بندوں میں موقعہ بموقعہ رکھدئے دبلکہ اس کا لحاظ مناسب موقعوں پہ ہر بند میں رکھا گیا ہے) مثلاً نسیم باغ۔ باغ نشاط۔ یمبزل نونہال (سفیدے کا درخت) کشت زعفران

امرت کے گلاس (کشمیر کے ایک مشہور میوے کا نام گلاس ہے) تیسرے بند کا
بارھواں مصرعہ چاہیئے کہ پڑھنے والے کو اس سوچ میں ڈالے کہ ہیرو کی
ذات پانی سے نسبت رکھتی ہے + دوسرے بند کے سولھویں شعر میں اگر سوسن عام
پھول ہے تو بنفشہ کستوری اور بن بہار کشمیر سے خصوصیت رکھتے ہیں + اسی
بند کے ۲۴ ویں مصرعہ میں "امرت بھون" آیا ہے - اس نام کا ایک گاؤں سرینگر
سے تین میل جانب شمال واقع ہے - اصل میں اس نام کی ایک دھرم سالہ رانی امرت
پربھا نے قدیم زمانہ میں اس جگہ پر بودھ جاتریوں کے ٹھہرنے کے لئے بنائی تھی -
اس کے علاوہ اول ہی بند میں "بالشت بھر" آگیا ہے جو وِتستا کا لفظی ترجمہ ہے
چونکہ شروع شروع میں یہ دریا بہت سکڑا ہے اس لئے سنسکرت میں اسے
یہ نام دیا گیا + تیسرے بند کا چوتھا مصرعہ چنار کی طرف اشارہ کرتا ہے + دوسرے
بند کے اخیری شعر میں "کشت زعفران" آیا ہے جو پام پور کے مشہور زعفران کے
کھیتوں کا نشان دیتا ہے -

بند ۴

یہ بند ایک گرو یا مرشد کامل کی ضرورت لازم ٹھہراتا ہے + سرینگر کے قریب
ایک پہاڑ کا ٹیلہ سلسلہ مہادیو پربت اور ڈل جھیل اور دریا کے درمیان آکر
کھڑا ہو گیا ہے اس کی شکل ایسی واقع ہوئی ہے جیسے کوئی ہاتھ اونچا کرکے تنبیہہ کے
لئے انگشت شہادت بلند کرے + یہ سرینگر سے ایک ہزار فیٹ اونچا ہے اس کی
چوٹی پہ ایک شوالہ ہے اس ٹیلہ کو "شنکر آچاریہ" کہتے ہیں - سوامی شنکر آچاریہ کو عام طور

پرشو کا اوتار کہا جاتا ہے + اُن کی مذہبی تعلیم یعنی ادوَیت ویدانت دُنیا میں مشہور ہے۔ نام کی رعائت سے صرف "سوامی" کا لفظ استعمال کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اِس بند کے تیرھویں شعر میں "شیش ناگ" کے ذکر سے ہیرو کی ماہیت کا پتہ چل سکتا ہے اِس نام کا ایک دریا لیدر ویلی (وادی) سے آکر وِتستا میں ملتا ہے۔ بیشتر اِس کے کہ وُہ ہرنگر پہنچے۔ چھٹا اور ساتواں شعر ہمارے ہیرو کی ماہیت پر تیز روشنی ڈالتے ہیں۔ نیل مت پُران میں لکھا ہے کہ شوجی اپنے ترسول سے زمین میں سوراخ کرکے وِتستا کو پاتال سے اوپر لائے + کلہن پنڈت نے بھی راج ترنگنی میں اِس کا ذکر کیا ہے (دیکھو ترنگ ۴۔ شلوک ۱۰۳)

بند ۵

چوتھے اور پانچویں شعر میں وتستا کی اِس قدرتی کیفیت کا خاکہ کھینچا گیا ہے جس کا بہترین نظارہ شنکر آچاریہ سے دکھائی دیتا ہے۔ پام پور اور سری نگر کے درمیان دریا دُور تک ایک مسلسل لہر یا بناتا چلا گیا ہے۔

بند ۶

اِس بند میں اہلِ کشمیر کے حُسن وجمال کا ذکر ہے + حُسنِ صورت سے بڑھکر کوئی تحریص سالک کی مزاحم نہیں ہوتی +

۱۹ ویں شعر سے ۲۶ ویں شعر تک اِس کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے جو اِس قسم کے غسل تفریحی میں عموماً دیکھی جاتی ہے۔ اِس میں جو انوکھی بات معلوم ہوتا ہے مقبا می

خصوصیت سمجھ لیجیے۔

بند ۷

غسل کا سین اِس بند کے شروع تک پہنچا ہے اوّل مصرعہ میں "کام راج" جو واقع ہُوا ہے اسکی جغرافیائی اہمیت بھی ہے یہ نام وادی کشمیر کے اس حصہ کا ہے جو سرینگر سے بارہ مولہ تک پھیلا ہُوا ہے + تیرھویں اور چودھویں شعروں میں ڈل جھیل کی طرف اشارہ ہے جو اس وادی کے مشتقل رہنے والوں میں سے ہے +

بند ۸ - ۹

پچھلے واقعات کے بعد اِس بند کا مضمون قدرتی تسلسل میں ہے۔ اس میں بھی کئی تشریحی کلمے موجود ہیں جو اِن چیتاں کے حل پر روشنی ڈال سکتے ہیں جیسے نویں شعر میں "دریا جہل کا"، اور گیارھواں شعر + ۸ - ۹ - ۱۰ ویں مصرعوں میں سری چھرن اور سرکے پیتھر کا ذکر ہے اور نویں بند کے پانچویں مصرعے میں لفظ "ڈام" کافی روشنی ڈالنے والا لفظ ہے ایسے ہی پانچواں شعر + ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ ویں شعروں میں دوسری نظر سے جو حالت ڈل کی دیکھنے میں آئی اُس کا ذکر ہے + ۱۸ ویں شعر سے سری نگر چھوڑنے کی کیفیت دکھائی ہے + بیسویں شعر میں دودھ کے دریاؤں کا ذکر آیا ہے - ایک ندی جو سرینگر کے نیچے وِتستا سے ملتی ہے اُس کا نام ہی "دودھ گنگا" ہے۔ دریائے سندھ جو شادی پور پر آملتا ہے اس کی شکل دودھ کی سی ہے +

بند ۱۰

اب دریا وادی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں داخل ہوتا ہے اِس اور اُس سے اگلے بند میں جن مصیبتوں اور تکالیف کا نقشا اُتارا گیا ہے اُن کا اعلان آٹھویں بند کے آخیری شعر میں اپسراؤں کی زبان سے ہُوا تھا + ان کی جغرافیائی صداقت بدیہی ہے "تُرسِنگ اور بہروتی" پہاڑی درغت ہیں + اِس بند کے بیسویں شعر سے جو مذکور ہے اس کا زندہ ثبوت جھورہ کا پور ہوس اور سرینگر کا الکٹرک ورکس (بجلی گھر) ہے اِس ساری جاترا میں صرف اُس مقام پہ انسانی ہاتھ نظر آتا ہے - لیکن وہ بھی قدرت کی طاقت کے بغیر کچھ نہ کر سکتا تھا +

بند ۱۱

اِس بند کی سرگذشت بھی پچھلے بند کی سی ہے - جا بجا چٹانوں کا اُبھرا ہونا - دریا کا اُن سے ٹکرانا اور جھاگ پیدا ہونا وغیرہ پہاڑوں کا سلسلہ اکثر مقامات پہ اتنا تنگ اور پیچدار واقع ہُوا ہے کہ دیکھنے والے کو بادی النظر میں حیرانی ہوتی ہے کہ اب دریا کو کدھر سے رستہ ملیگا + بہت سے ندی نالے آکر دریا سے ملتے ہیں اور اسی جغرافیائی حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں (۱۹-۲۰ شعر) + دریا کا رنگ کہیں سفید کہیں مٹیالا اور کہیں سُرخی مایل ہو جاتا ہے (۲۱ شعر) +

بند ۱۲

یہاں ہمارا ہیرو پنجاب کے میدانوں میں داخل ہوتا ہے + لوبھ (بند ۱) موہ (بند ۲ — ۵) کام (بند ۶ — ۹) اور کرودھ (بند ۱۰ — ۱۱) پر فتح پا کر اب اہنکار اُسے آدباتا ہے۔ مگر آخر کار وہ اس پر بھی غالب آتا ہے +

بند ۱۳

اس بند میں اُن فوائد کا مجمل بیان ہے جو دریائے وتستا سے انسانوں کو پہنچتے ہیں یہاں بھی بہت سے تشریحی لفظ بلکہ مصرعے موجود ہیں جیسے بارھواں۔ سولھواں۔ اُنیسواں اور بیسواں مصرعہ + اٹھارھویں۔ اُنیسویں اور بیسویں شعر کے مضمون سے ہم سب انسانوں کو سبق لینا چاہیئے جب قدرت کا فیض عمیم اور عالمگیر ہے تو انسانوں کا مخصوص اور محدود کیوں ہو + اکیسواں اور بائیسواں شعر بھی ہمارا دستور العمل بننے کا مستحق ہے آخری مصرعہ چناب اور اٹک کے اتصال کی طرف اشارہ کرتا ہے +

بند ۱۴

اب ہمارا ہیرو منزل مقصود پر پہنچ کر محبوب حقیقی کے وصال سے فیضیاب ہو گیا

انت متا سو متا +

جموں
۲ جنوری ۱۹۲۱ء

برجموہن دتاتریہ۔ کیفی

۱

جب میں اس دُنیا میں آیا دل میں اتنا جوش تھا
کوہِ پُر تمکیں بھی جس سے مثلِ بُت خاموش تھا
وُہ تڑپ وُہ زور شور - اور اس قدر جوش خروش
پانی پانی کر دُوں کُل دُنیا کو - تھا سر میں یہ جوش ۴
وُہ اولوالعزمی زمیں پہ پانو رکھنا تھا محال
سامنے میرے ٹھہرنا کوئی - تھی کس کی مجال؟
دِل میں خودداری کا عنصر تھا یہاں تک جاگیر
عظمتِ کون و مکان تھی میری نظروں میں حقیر ۸
دیو سے بھدے نظر آتے تھے سارے کوہسار
اور گویا تھے وُہ مینارِ زُمرّد شکلِ دار
تھی وُہ بیجا تمکنت یا شوکتِ طبعِ غیور -
میں الگ رہتا تھا سب سے - گرچہ تھا نفرت سے دور
یُوں تو میں چھوٹا تھا - لیکن شانِ تمکیں تھی بڑی
میں کھڑا ہوتا نہ تھا - جب مجھ سے ملتا تھا کوئی

گرچہ تھی میری بساط اس وقت بالشت بھر
۱۶ تھیں نگاہیں میری اونچی۔ ذات میں تھا یہ اثر
میری سنگت میں جو آیا وُہ ہی مجھ سا ہو گیا
مل گیا قطرہ جو دریا سے۔ وُہ دریا ہو گیا
کر گئی دل پر اثر میرے یہ اپنی واردات
۲۰ راز از خود آ گیا۔ یہ زندگی کا میرے ہات
لیکن اب تک یہ فقط احساس تھا۔ یا تھا اک خیال
اس اصولِ پاک کا توثیق پانا تھا کمال
کیا کہوں کیا کچھ تھا میرا عنفوانِ زندگی
۲۴ مجھ کو تسکیں۔ کوئی شے دُنیا کی دے سکتی نہ تھی
ڈالتا جب غور کی میں اردگرد اپنے نظر
بستی دُنیا کو میں خالی پاتا اور اُجڑا سا گھر
زندہ دُنیا جسم اک بے رُوح تھی میرے لئے
۲۸ تھی نہ دلکش قدرتی صنعت گری میرے لئے
دیکھنے میں جو مرے آتے مناظر رنگ رنگ
ہو گئی اُن سے پریشانی۔ ہُوا دل میرا تنگ
رنگ یکرنگی کا میری طبع میں تھا جاگزیں
۳۲ کیونکہ وُہ ہنگامۂ نیرنگ ہوتا دل نشیں
گرچہ مجھ میں اس قدر غیرت تھی خودداری بھی تھی

عشق کی دل میں سلگتی ایک چنگاری بھی تھی
ڈھونڈتا تھا دل کسی شے کو امنگ اور چاہ سے
۳۶ تھا مگر واقف نہ اب تک اُس کے رسم و راہ سے
کون ہے وہ، کیا ہے وہ شے جس کی ہے دل کو امنگ؟
اس معمے نے سمجھ کو میری کر رکھا تھا دنگ
جانتا تھا میں تو بس اتنا کہ دل بیتاب ہے
۴۰ بلبل بے پر ہے گویا ماہئیِ بے آب ہے
ہوک رہ رہ کر یہ اُٹھتی کوئی ایسا پائیے
جس کو اپنا کیجئے یا اُس کے خود ہو جائیے
چاہتا تھا جی کہ یا دنیا میں بس میں ہی رہوں
۴۴ یا کوئی ملجائے ایسا جس میں خود کو گم کروں
جذب ہو جاؤں میں اُس میں محو ہو جاؤں وہیں
غیر ممکن پھر یہ کہنا ہو۔ یہ دو ہیں ایک نہیں
پریم کی اُٹھتی تھی رہ رہ کر مرے دل میں ترنگ
۴۸ ہو گئی تھی اس پہ ہی مرکوز کل ہستی کی جنگ
لیکن اب تک مرکزِ اصلی سے تھا میں بے خبر
اک جبلی حس تھی وہ اس سے نہیں تھا بیشتر
تھی جو خود داری مری فطرت میں عزم ارجمند
۵۲ میرے سیکھے ایک سے تھے دہر کے پست و بلند

مجھ کو یکساں تھے وُہ پُر ہیبت بن اور اُونچے پہاڑ
تھے برابر مجھ کو خارستان اور پھولوں کے جھاڑ
موج میں اپنی اُچھلتا کُودتا جاتا تھا میں
۵۶ دھیان میں ارض و سما کو کب ذرا لاتا تھا میں
دیدۂ افلاک کو شوخی سے جھپکایا کبھی
اور پہلوئے زمیں کے گدگدا آیا کبھی
ایک جا دیکھا کہ عالم ہے چمکتا نُور سے
۶۰ اور کانوں میں پڑا اک شور بھی کچھ دُور سے
لکشمیؔ کے کارپردازوں کا پایا جمگھٹا
لائے گنجینے جواہر اور زر کے بے بہا
روپے۔ سونے۔ ہیرے اور نیلم کی کانیں کھُلوا دیں
۶۴ چل پڑا میں مار کر ٹھوکر اُنھیں چھوڑا وہیں
کر دئے بخشوںؔ نے آگے آ کے مال و زر کے ڈھیر
ہیرا۔ پنا۔ لعل و یاقُوت آئے خود دے کر کوبیرؔ
میں نے سمجھا اُن کو پتھر اور کنکر کی مثال
۶۸ مجھ پہ اُس سونے کی لنکاؔ کا بھلا کیا پڑتا جال
اُن پہ قبضہ کرنے کی گو لوبھؔ نے ترغیب دی
دھن دھن اُس کرتا رہا ! دھن کی طرف نیت نہ تھی

۲

اپنی رَو میں جا رہا تھا۔ اپنی دھن میں تھا مگن
جو نظر آیا مجھے کچھ دُور اک نادر چمن
چاندنی کی طرح تھا چھٹکا ہُوا حُسن ازل
دِلرُبا مشاطۂ قدرت کا تھا حُسنِ عمل ۴
دائیں اور بائیں تھی میرے سرگ کی گو یا بہار
اپنے ہاتھوں سے کیا تھا جس کا قدرت نے سنگار
جانفزا اسکی فضا۔ اور دلرُبا اس کی پھبن
آبشاروں کی صدائیں دل لبھانے کی پھبن ۸
دِل ہلا ایک کے بھی چھپ تختی پہ چسکی ہوں نثار
کارفرمائی پہ اِندر کو ہو جس کی افتخار
جنتِ نظارہ اور آغوشِ دِل سرگلزمیں
کائناتِ دہر میں مثل اِس کی پا سکتے نہیں ۱۲
پھول اُبلے پڑے۔ سطح جو پہ ہیں جیسے حباب
یوں شجر تنتنے کہ اُٹھتے جس طرح سے موج آب
گر زمیں پہ پھلجھڑی کی طرح تھے پھولوں کے جھاڑ
تھے لپکتے چرخ پر گل پوش شادی سے پہاڑ ۱۶
چپّہ چپّہ پر مسرت کا سماں چھایا ہُوا
حسنِ خوبانِ چمن تھا خوب گدرایا ہُوا

سبزے اور پھولوں کا مسکن بن رہی تھی وہ زمیں
۲۰ گردمٹی کا نشاں ملتا نہ تھا کوسوں کہیں

جس طرف جاتی نظر۔ تھے لہلہاتے مرغزار
سبزے کی کثرت سے یک رنگی کی تھی شان آشکار
تھیں پپیہے کی صدائیں۔ بلبلوں کے چہچہے
۲۴ مسکراہٹ تھی کلی کی اور گلوں کے قہقہے

سایہ۔ سبزہ۔ اور لپکتی نہروں کی بہار ہی چھا رہی تھی
دیکھنے والے کے دل کو کھینچتی ہر کیاری تھی
چشمے سرجیون تھے ہریالی میں یوں جلوہ کناں
۲۸ جس طرح اجرامِ فلکی سے سجا ہو آسماں

تھی چنبیلی اور چمپے سے کھلی اک چاندنی
چار آنکھیں ہو گئی تھیں نرگسِ بیمار کی
رات کستوری کی تھا پائے باس سے مشکِ تتار
۳۲ تھے ادھر سوسن بنفشہ۔ اور ادھر تھی بن بہار

مژدہ دل کو جوش تازہ بخشتی بادِ چمن
تھے سجا کر نام اپنی خطہ کر دیں امرت بھون
آتشِ گل سے وہ سارا باغ تھا لہکا ہوا
۳۶ تھا شمیم یاسمن سے سربسر مہکا ہوا

اپنی دولت سے مگن تھی بھینی بھینی ماٹی

تھی پدم اور شنکھ پر وہ کب نظر تک ڈالتی
گُل اُگلتی تھی زمیں۔ پھولوں کی کثرت کا یہ حال
اور گُل افشانی میں تھے بادل بھی پشپک کی مثال ۴۰
وُہ فضا تھی ایسی فرحت بخش اور مستی بھری
لہلہاتی جھومتی۔ چلتی نسیم باغ بھی
چھیڑ خوبانِ چمن سے کرتی جاتی تھی صبا
مسکرایا غنچہ۔ اور گُل کھِل کھلا کر ہنس پڑا ۴۴
تھا وُہ گلزارِ ارم۔ یا مُرگ۔ یا باغِ نشاط
تتّے پتّے میں خمیر اُس کے طلسمِ انبساط
باغِ جنّت تھا وُہ۔ یا تھا باغ جنّت اُسکی نقل
دیکھکر ایسا بہارستاں تھی حیری دنگ عقل ۴۸
جانفزا کیا؟ رُوح افزا تھی فضا اُس باغ کی
کرشن کی مُرلی دُھن تھی یا ہوا اُس باغ کی
رُوح پرور اور تھا ایسا سُہانا وُہ سماں
کھِل گیا دل کا کنول اور ہو گیا میں شادماں ۵۲
سبز سبزی سے بنے تھے جو وہاں کے دوارپال
خیر مقدم کو کھڑے تھے سنتن وُہ نونہال
ڈیوڑھی پر بس جو اُس گلشن کی پہنچا ناگہاں
ہو گیا جوشِ مسرت سے وُہ کشتِ زعفراں ۵۶

۳

مسکرائیں کلیاں اور انگلی اٹھائی سرو نے
پھول اپنے آپ میں پھولے سما سکتے نہ تھے
کھل گئے مارے خوشی کے پھول مجھ کو دیکھ کر
ہاتھ پھیلائے ہوئے دوڑے مری جانب شجر ۴
سر پہ میوے سر کے ہاتھوں میں امرت کے گلاس
ہر کوئی یہ چاہتا تھا ۔ آئے پہلے میرے پاس
شاخِ گل نکلی دلاویزی سے لیکر طرفہ نار
گلبنوں نے گجروں اور طرّوں کا باندھا ایک تار ۸
مٹھیاں بھر لیں زرِ گل کی نچھاور کے لئے
کنٹھے گردن کے لئے اور پھُل مکٹ سر کے لئے
گل بکش آگے بڑھا ۔ جھک کر قدم میرے لئے
سلسلے جو لے گلستاں نے بیاں کیا کیا کئے ۱۲
تھا شمیمِ گل سے سر میں اک نشا چھایا ہوا
جامِ مُل کی طرح جامِ گل تھا سر آیا ہوا
پھر گئی آنکھوں میں مستی ۔ کھو گئے ہوش و حواس
اُس پہ کرنے کو نچھاور تھا ۔ جو کچھ تھا میرے پاس ۱۶
وہ نظارہ دیکھ کر اوسان پرّاں ہو گئے
اس ہوا میں ہوش اور ادراک پریشاں ہو گئے

اِس شگفتہ باغ کو پایا جو کِشتِ زعفراں
۲۰ سرسوں پھولی آنکھوں میں حیرت کا چھایا اک سماں
کیا بیاں ہو منظرِ فردوس کا دل پر اثر
بن گیا تھا دام گویا خود مرا تارِ نظر
جی میں آیا بڑھ کے جنت سے ہے کیا سنسار میں
۲۴ آؤ رہ جاؤ یہیں اِس پُر فضا گلزار میں
ایک محویت کا عالم مجھ پہ طاری ہو گیا
ہر رگ و پے میں اثر تجلی کا ساری ہو گیا

۴

حال ڈانواں ڈول میرے دل کا جب ہونے لگا
تو اٹھا کر سر یہ سوامی نے اشارہ سے کہا
دیکھ اے نادان بچے یہ موہ کا ہے اک فریب
۴ تو ابھی بچہ ہے کیا جانے یہ افراز و نشیب
چیت اے مورکھ نہ ہرگز آئیو اِس جال میں
یاد رکھ پھنس جائیگا تو ورنہ اک جنجال میں
کیا خبر تجھ کو ہے کیا کیا کچھ ابھی زیرِ کمیں
۸ تو یہاں سے بھاگ چل۔ وشنو نہ جاگے ہیں کہیں
وہ مہا یوا اہلِ عرفاں کا جو ہے کامل گرو
اس نے بھیجا ہے کہ پھنس جائے نہ اس دلدل میں تو

تجھ کو وشنو اور برھما سے نہیں وابستگی
۱۲ اِس زمیں پر شِو تجھے لایا۔ تجھے دی زندگی
شِو سے نسبت ہے تجھے۔ پھر موہ سے کیا کام ہے
یاد رکھ اِس موہ کے پردے کے اندر کام ہے
تُو ہے قطرہ اور کمالِ قطرہ ہے یہ بحر میں
۱۶ بحر سے مِلجائے جاکر۔ جذب ہوجائے وہیں
اِن فریبوں میں اگر تُو مبتلا ہوجائے گا
دام میں حرص و ہوا کے پھنس کے تُو کھو جائیگا
کیسی جنّت؟ کس کی دوزخ؟ سب یہ مایا جال ہے
۲۰ آ پھنسا اِک بار جو اِس میں اُسی کا کال ہے
کہہ رہے ہیں جو۔ کر اس پر غور۔ یہ تیکیں آب
سر سفید اُن کے ہوئے اِس چاہ میں کھو کر شباب
سب ترا دم خم یہ دم بھر میں ہوا ہو جائیگا
۲۴ خاک میں مِل جائیگا تُو۔ اور فنا ہو جائیگا!
بھول مت حامی ہے تیرا اور معاون شیش ناگ[۱۳]
چنچکر وہ گیان کا تجھ کو سُناتا ہے یہ راگ
یاد ہے تجھ کو بساط اپنی۔ کہ ہے بالشت بھر
۲۸ اور طے کرنا پڑا ہے تجھ کو ایک لمبا سفر
تیرا بابا کے چمتکاروں سے گرتا تا ہُوا

تا دمِ آخر پھرے گا یونہی بھٹکتا ہوا [13]
اِن کرشموں کو سمجھ - اے ناسمجھ - صرف اک طلسم
۳۲ تو لگا رہ اپنی دھن میں - ورد کر دلبر کا اسم
وہ کہاں ہے؟ کون ہے؟ باتیں ابھی ہیں یہ فضول
آپ وہ دیگا دکھائی - جب یہ ہٹ جائیگی بھول
ہیں صفات اس کے جو تیرے سامنے گانے لگوں
۳۶ کارگر تجھ پر - عجب کیا - اُن کا ہو جائے فسوں
ہے یہ اغلب اک صفت حاوی ہو تیرے ذہن پر
اور علمِ ذاتِ اقدس سے رہے تو بے خبر
دِل میں سچے پریم کی اُٹھتی ہے گر تیرے ترنگ
۴۰ صاف رکھ دل کو اور اُس پر اس کا جم جانے دے رنگ
مایا ناٹک کا تماشا ہے - ہوئی یہ کس کی میت
باسنا [15] میں ہستیوں کو پھانس کر لیتی ہے جیت
یہ تو اک چشمِ تماشا آشنا کا ہے قصور
۴۴ سایہ ہے سایہ - مری جاں! جسکو تو سمجھا ہے نور
چاہ مکتی کی جو ہے تجھ کو - تو سوہم جاپ [16] کر
آتما پرماتما [17] میں جذب ہو - یہ ہے ظفر
ہے یہی ویراگ [18] - برخوردار! اور یہی ببیک [19]
۴۸ ہیچ اس کے سامنے دنیا کا ہے بد اور نیک

جوگ[۲۲] کہتے ہیں اسی کو۔ ہے یہ بھگتی کا کمال
ہے یہ تکمیلِ ارتقا کی اور یہ ہے سچا وصال
انتہائے برہم گیان[۲۳] اور کرم کی یہ جان ہے
بس فنا فی الذات[۲۴] ہو جانا ہی تو نِروان[۲۵] ہے ۵۲
پریم کی اُٹھتی ہے تیری ذات میں اصلی ترنگ
تو تجھے کرنی پڑے گی کُل جہاں سے ایک جنگ
چاہتا ہے تو جسے وہ ہو نہیں سکتا اسیر
ہاں یہ ممکن ہے کہ سچا پریم گر ہو دستگیر ۵۶
اپنی ہستی کو مٹا کر اور فنا کر کے دوئی
اس میں تو مل جائے جا کر اور ہو جائے وہی
بحر میں مل جائے جا کر قطرہ۔ پھر کیا چاہیئے
وصلِ معشوقِ حقیقی اس کو کہنا چاہیئے ۶۰
اس نتیجے پر مگر ہرگز نہ آنا چاہیئے ۶۰
ہے یہ دُنیا ہیچ۔ اس سے ہاتھ اُٹھانا چاہیئے
فرض منزل پر پہنچنا ہے جو سالک کے لئے
ہو سکے گا کس طرح بے مسافت طے کئے ۶۴
واسطہ رستہ ہے تجھ میں۔ منزلِ مقصود میں
غایب اور آیندہ ہے اس حال میں موجود میں
اس لئے لازم ہے دُنیا سے نہ تو نفرت کرے

۶۸ عاشقِ خالق ہے وہ۔ خلقت کی جو خدمت کرے
خدمتِ مخلوق میں ہی طاقتِ خلّاق ہے تو
خادمِ خلقت کا درجہ سرورِ آفاق ہے۔
ہاں یہ لازم ہے نہ بھولے منزلِ مقصود کو
۷۲ اور غرض کے لوث سے دل اس کا بالکل پاک ہو
ترکِ دنیا اس لیے وجہِ قوی ہے ضعف کی
چھوڑ کر رستے کو منزل پہ کوئی پہنچا کبھی
یہ حکایت جھوٹ نہیں ہے۔ امتحان کی جا ہے یہ
۷۶ ہو نظرِ انجام پہ تو پھر بہت اچھا ہے یہ

۵

اس کی انگشتِ ہدایت جب ہوئی یوں رہنموں
تو نشہ وہ سر سے اترا۔ اور وہ ٹوٹا فسوں
وہ طلسمی منظر۔ اور وہ دل فریبی کا سماں
۴ اب نظر آنے لگا اک عشوۂ وہم و گماں
گرچہ منڈلایا بہت دل ٹھہر جانے کے لئے
کیا نہ وہ مچلا وہاں ڈیرہ جمانے کے لئے
میں بڑھا آگے تو وہ پیچھے مچل کر رہ گیا
۸ شوقِ نظارہ بھی کیا چکمہ پہ چکمہ دے گیا
آگے بڑھتا تھا جو میں۔ پیچھے ہٹے جاتے قدم

سر میں اک چکر - تو اک چکر میں تھے میرے قدم
ذرہ ذرہ اس زمیں کا گویا اک زنجیر تھی
جو قدم کو میرے پیچھے کی طرف تھی کھینچتی ۱۲
پھنس گیا میں اک عجیب اور پُرخطر گرداب میں
زُلف کی مانند تھا از بسکہ پیچ و تاب میں
میں نہ نکلا تھا ابھی اس سرگ کے گلزار سے
دل میں وُہ دلکش مناظر اپنا گھر کرنے کو تھے ۱۶
قول سوامی کا جو دل میں ہو گیا تھا جاگزیں
عزم ہوتا تھا ٹھہرنے کا وہاں ہرگز نہیں
اک نئی کیفیت اس اثنا میں عارض ہو گئی
دُور سے آوازِ راحت بخش آئی بین کی ۲۰
جس سے غفلت سی جو اس پر سراسر چھا گئی
جو مری آنکھوں کو پل بھر کے لئے جھپکا گئی
کھل گئی جب آنکھ تو دیکھا نظارہ اک عجیب
شاد ہوتا ہے جہاں میں دیکھنا جس کا نصیب ۲۴

۶

جھُٹ پٹے آئے اپسراؤں کے نظر ہر چار سُو
نُور برساتا تھا اس گلشن پہ جن کا عکس رُو
وُہ غزالی آنکھیں مستی جن میں تھی چھائی ہوئی

۴ تھی حیا سے جو نظر نیچی تھی - شرمائی ہوئی
جس طرف اُٹھتیں وُہ آنکھیں بجلیاں گرتیں وہاں
تھیں نگاہیں تیرِ دلدوز اور ابرو تھے کماں
جائے سرمہ دلکشی کا آنکھ میں جادو بھرا
۸ گل سے بڑھکر تھا گلِ عارض میں رنگ و بو بھرا
بار تھا جوبن بھی گویا نازک اتنی اُن کی گات
قد وُہ بوٹا سا کہ تھے سرو و صنوبر جس سے مات
ڈال دیتا جس جگہ سایہ وُہ چنچلا بدن
۱۲ لہلہاتا اور کھل جاتا وہیں تازہ چمن
چاند سے مکھڑے پہ بندی اور بینی کی پھبن
کہکشاں - انجم کو بھولے دیکھ انہیں چرخِ کہن
زانوؤں تک تھے لٹکتے مشک بو گیسو کے بال
۱۶ دل پہ نظارے کے ہو جائیں نہ وُہ کیونکر وبال
چال اٹھکھیلی کی وُہ تھی جس میں سرتاپا بھری
دلفریبی - دلستانی - دل رُبائی - دلبری
موہنی وُہ مورتیں - اور وُہ سہانی صورتیں
۲۰ سحر سے جن کے بہت کم بچ سکے آفاق میں
حُسن کے سانچے میں بھولی بھولی شکلیں تھیں ڈھلی
اُن کے الہڑ پن کی کیفیت بھی لگتی تھی بھلی

پڑ گئی آنکھ اِن پہ جب پریوں کا سایا ہو گیا
تھا وہ اپنا یا پر ایا۔ بس اُنہیں کا ہو گیا ۲۴
دل بڑھاتا تھا جو دیکھی وہ تبسم کی طرح
تم سمجھ لو اس سے کیا ہو گی تکلم کی طرح
آسماں سے پھول جھڑتے مسکراتی تھیں وہ جب
دل کھیا جاتا تھا کھلتے بات کرنے کو جو لب ۲۸
حُسنِ ازلی کی تھیں جیتی جاگتی گویا شبیہ
کھینچ سکتے مانی و بہزاد اُن کی کیا شبیہ
اچپلاہٹ۔ شوخی اور نازک ادائی۔ دلبری
کوٹ کر تھی آب و گل میں اُن حسینوں کی بھری ۳۲
سادگی با ایں ہمہ گفتار میں رفتار میں
رنگِ معصومی جھلکتا صاف تھا کردار میں
دیکھ کر اُن کو مری آنکھوں نے پایا ایک نور
شوق اور ارمان کا جمنے لگا دل پر سرور ۳۶
اختلاط اور اشتیاق اُن کا بیاں کیا ہو سکے
ہو گئیں جامے سے باہر از دیادِ شوق سے
مہوشوں نے سرگ کی مجھ سے نہ کچھ پردہ کیا
بے تکلف مجھ کو آغوشِ محبت میں لیا ۴۰
کر رہا جلبا نک[۲] کا تھا جعدِ مشکیں کھل کے وار

جس کو خالی دیکھا۔ تھا دشوار بھی اور ناگوار
پھانسنا چاہا خم گیسو میں حوروں نے مجھے
۴۴ ہم بغل مجھ سے ہوئیں اور خود بخود بوسے دئے
گرد پھر کر مرے۔ اس طرح کرتی تھیں کا بیل
تھیں لپٹ کر پھانس لینے کو بہ رنگ شام بیل[۳۱]
بال کھولے۔ ہاتھ اُٹھائے میرے پیچھے دوڑتیں
۴۸ اور کبھی ہٹ کر کے پیچھے ہٹتیں اور منہ موڑتیں
دل میں گھس گھس مرے وہ چٹکیاں لیتیں کبھی
چھینٹے دیتی تھیں کبھی۔ اور گدگداتی تھیں کبھی
اب چلیں۔ اب رک گئیں آگے بڑھیں پیچھے ہٹیں
۵۲ اشتیاق اور تمکنت کی کشاکش میں پڑ گئیں
غالب آخر آگیا تمکیں پہ جوشِ اشتیاق
تمکنت اور ناز کو رکھا گیا بالائے طاق

۷

سُرگ کا خطہ۔ تھا۔ اندرا[۳۲] سن تھا۔ یا تھا کا مراج[۳۳]
تھی وہاں جو شئے طلب کرتی تھی وہ دل کا خراج
اپسرائیں پریم رس[۳۴] کے لائیں بھر بھر کر گلاس
۴ شربت وصل صنم کی پر یہاں غالب تھی پیاس
سبز مخمل کے بچھائے فرش میرے واسطے

مسندِ شاہی زمیں پر لوٹنے لگے رشک سے
سیج پھولوں کی سجائی ایسی نادر بے نظیر
۸ کیا مجال اس سے جو سیج نکلے ریشمی یا کوئی پیر
بےرخی سے میری شوق اُن کا زیادہ ہو گیا
سرد مہری سے میری محکم ارادہ ہو گیا
عشوہ پردازی پر اُن کی دل لگی سوجھی مجھے
۱۲ ایک آنکھ اُن کے نہ بھائے مجھ کو غمزے چوچلے
پانی پھیرا خوب ہی اُن کے گلِ رخسار پر
یاسمن اس کو کیا۔ عناب لب کو نیلوفر
کر دیا نشۂ ہرن اس نرگسِ سرشار کا
۱۶ میں نے اک اک بل نکالا کاکلِ خمدار کا
یہ کشاکش ہم میں گو جاری رہی کچھ دیر تک
ضبط کا پیمانہ اب تھا۔ بھر کے جانے کو چھلک
دل میں اس رووادسے دُبدا سی پیدا ہو گئی
۲۰ سر مرا چکرا رہا تھا۔ عقل میری دنگ تھی
جی میں آتا تھا کبھی آؤ یہیں کے ہو رہو
یہ تو اپنی ہو چکیں۔ تم بھی انہیں کے ہو رہو
حسنِ صورت حسنِ قدرت پاؤ گے ایسا کہاں
۲۴ پھر کہاں یہ سُرگ کی پریاں۔ یہ گلزارِ جناں

ایک ہم مشرب بھی دیکھا پاس کو ہے خیمہ زن
تھا جو اُس مرگ اور اُن پریوں میں آنند او مگن
یہ دل آوارہ بولا اب تو جاتا ہے کہاں ؟
۲۸ آشنا بھی ایک ہم صورت میسر ہے یہاں
ورطۂ وہم و تذبذب میں ابھی میں غرق تھا
پیش آیا ایک تازہ اور انوکھا ماجرا
یہ سما ضبط آزما اپنا جمانے کو تھا رنگ
۳۲ جو یکا یک ایک جانب سے ہوا اک خدنگ
تیر تھا دل دوز۔ یا تھی ایک پھولوں کی چھڑی[۳۵]
مضطرب دلکی مرے۔ سیدھا اُسنے تھی باندھی تُلی
میرے دل میں تھا وہ کھب جانے کو تیر تیز پر
۳۶ یک بیک چمکا کسی جانب سے اک برقی شرر
کر دیا اک دم میں خاک اُس نے جلا کر تیر کو
اور بچا یا میرے مضطر قلب کے نخچیر کو
ساتھ ہی اُس کے نظر سوامی کی جانب جو گئی
۴۰ تو عجب حالت مرے دل اور سر کی ہو گئی
تھی دلیلِ راہ وہ انگشتِ تنبیہہ آپ کی
جس نے پیچھے کی طرف رفتار میری موڑ دی

۸

چونک اُٹھا میں۔ ہُوئی حالت دِگرگوں قلب کی
مِٹ گئی وہ محویت اور آنکھ میری کھل گئی
اپسراؤں کی وُہ زخمی نظریں۔ وہ حسرت وہ یاس
ناامیدی کی نگاہیں۔ اور چہرے کا ہراس ۴
روکنے میں سر بسر قاصر ہے اور بے اثر
چل پڑا میں لااُبالی کی نظر اک ڈال کر *
حُسن کے منظر میں اک کُہرام اِس سے مچ گیا
سُلفنیاں ڈالیں گلے میں یہ بروگ اُن کو ہُوا ۸
تاج پھولوں کے اُتارے گل رخوں نے رنج سے
پارچہ ماتم کا ڈالا سر پہ روتے پیٹتے *
پہلے تو اِک جھُرمٹ آیا دُور میرے ساتھ ساتھ
پھر کہا کیں یہ اُٹھا کر وہ سوئے افلاک ہاتھ ۱۲
مسکِن بھاگیرتی۔ کہتے رہیں۔ شو کی ہے جٹا
تیرے سر میں جوش زن ہے ایک دریا جہل کا
تُو جو دُکھ دے کر چلا ہے ہم کو اسے آوارہ گرد
یوں اُٹھا کر اِن دلوں میں یاس اور حرماں کا درد ۱۶
چین پائیگا کبھی ہرگز نہ اِس سنسار میں
دُکھ وُہ بھوگیگا سَتائیگا جو یوں ناحق ہمیں

یاد رکھ اس طرح سے ہم کو اگر کلپا ئے گا
۲۰ ساری دُنیا میں جہاں جائیگا نہ تو کل پا ئیگا
ہو ہمیشہ بیقرار۔ اور تیرا مٹ جائے سکوں
خاک اُڑاتا یوں پھرے جیسے گرفتارِ جنوں"
بغض وکینہ زخشم دِل کو کرنے آئے التیام
۲۴ شوقِ ناکام اب ہُوا آمادۂ صد انتقام
ایک دم میں پھر گئیں آنکھیں۔ گئے تیور بدل
وُہ یکایک ہو گئیں آمادۂ جنگ وجدل
ڈال کر گرد اپنے پُر غیظ اور بھیانک اک نظر
۲۸ اپسرائیں یہ پکاریں ہاتھ اُٹھا کر چیخکر
"دیکھنا جانے نہ پائے۔ ہاں بناؤ اک حصار"
قید کرلو۔ پھانس لو۔ زخمی کرو۔ اور سنگسار

۹

جب سُنی یہ رجز خوانی مجھ کو غصہ آگیا
بے تحاشا۔ مُنہ پہ جو کچھ آیا۔ میں کہنے لگا
طیش میں آکر کہا۔ یہ دھمکیاں رہنے دو بس
۴ اُس پہ ڈورے ڈالو تم۔ ہو وصل کی جس کو ہوس
رُعب میں آتے کوئی احمق۔ چلے اُس پر یہ دام
بس کرو چپ ہو رہو۔ رہنے دو نازیبا کلام

مانتا ہوں۔ تم حسیں ہو۔ مہ جبیں ہو نازنیں
۸ روکنا چاہو اگر مجھکو تو یہ ممکن نہیں
کنڈل بن ہے جاتا ہے ناگنی میں تمہارا بال بال[37]
تم نے لاکھوں سر اُتارے اور کئے ہیں پائمال
ہو تمہیں اندر کا وہ ہتھیار۔ نازک دلربا[38]
۱۲ جس نے لاکھوں کے ریاض اور زہد کا چھیدن کیا
اور ہوں گے جن پہ یہ جادو کے انجر چل گئے
تم ہو پُرفن۔ تو ہیں میرے بھی غضب کے ہتھکنڈے
اک نظر بھی اِس طرف مُڑ کر نہ میں ہرگز کروں
۱۶ مُونگ چھاتی پر تمہاری حشر تک دلتا رہوں
میں رہوں بھی تم میں اور تم سے رہوں بالکل جدا
جس طرح رہ کر کنول پانی میں سُوکھا ہی رہا
خوں نہ روؤں گر چبھی ہے دل میں تیرِ غم کی نوک
۲۰ اپنی ٹھوکر سے کھلاؤں تم ہمالہ میں اسوک[39]
چل سکیں مجھ پر بھلا کب یہ تمہارے داؤ پیچ
دھمکیاں بھی عشوہ پردازی کی ہیں مانندِ ہیچ
ہاں میں کہتا ہوں۔ نہیں یہ سُرگ یہ ہے کام لوک[40]
۲۴ اور کچھ کہنے کو تھا لیکن زباں لی میں نے روک
الغرض میں اُن کی دھمکی پہ ہنسا اور چل دیا

ہو کے جُستجوئے منزل دلدار کا رستا لیا
جس کو میں سمجھا تھا ہم مشرب جو کی اُس پر نظر
۲۸ اُس کی حالت میں نے پائی ایک قیدی سے بتر
جال میں پھنس کر وہ بیتر رنج کا نخچیر تھا
ہل نہ سکتا تھا ذرا۔ یُوں پائے در زنجیر تھا
تن بدن تھا اُس کا زنجیروں میں یوں جکڑا ہوا
۳۲ مرغِ بسمل دام میں ہو جس طرح پکڑا ہُوا
اُس کی حالت دیکھ کر میں غرقِ حیرت ہو گیا
اس پہ چار آنسو بہا کر جلد رخصت ہو گیا
اُن طلسمانی مناظر سے جو چھٹکا را ہُوا
۳۶ وادی و کہسار میں سرگشتہ آوارہ ہُوا
خوب دیکھے اِس جہاں کے میں نے افراز و نشیب
کیا نہ مایا نے بچھائے راہ میں دامِ فریب
دودھ کے دریا بہے قدموں میں آ آ کے مرے
۴۰ نیک بھی اور بد بھی ہر اِک قسم کے آ کر ملے
راہ میں اچھا بُرا۔ چھوٹا بڑا مجھ سے ملا
اور میں نے سب کو آغوشِ محبت میں لیا
اِک بزرگ آیا نظر کچھ دُور مجھ کو ناگہاں
۴۴ جھیل کر اِس تک میں پہنچا بیش و کم کچھ سختیاں

جب ملا اُس سے۔ تو سب اُسکی حقیقت کھل گئی
پردہ اُٹھا جہل کا چشمِ بصیرت کھل گئی
اب میں سمجھا یہ نگاہِ وہم کا دھوکا تھا ایک
مرجعِ اصلی نہیں تھا یہ۔ خدا نے رکھ لی ٹیک ۴۸
چل دیا میں بس وہاں سے اپنا دامن جھاڑ کر
ایک بھی ڈالی نہ مُڑ کر اُسکی جانب پھر نظر
کھل گیا وہ رازِ سربستہ۔ نظر آتا تھا صاف
کچھ تو ہوں۔ جو ساز نہیں ہوتی ہیں یوں میرے خلاف ۵۲
جو ہے۔ میرے پھانسنے۔ میرے پکڑنے کے لئے
راہِ حق میں ہو گیا ہادی یہ اڑنے کے لئے

۱۰

جا رہا تھا موج میں اپنی میں دارفتہ خرام
تھی نظر میں منزل۔ اور محبوب کا تھا دل میں نام
مار کر اُس سنگ کو ٹھوکر میں دست افشاں چلا
اُس طلسمِ حسن سے یوں بچ کے پا کو باں چلا ۴
یہ سمجھتا تھا مصائب کا ہُوا اب خاتمہ
اب نہ پیش آئیگا پُر اندوہ کوئی سانحہ
منزلیں دو چار ابھی ہونے نہ پائی تھیں تمام
دیکھتا کیا ہوں کہ ہے چاروں طرف آنند کا مقام ۸

کھچ گئیں سنگی دیواریں مرے چاروں طرف
اُن پہ سرہنگ اور بہروفی کھڑے ہیں صف بصف
صاف ظاہر تھا نہ اُن پر یوں کا جب جادو چلا
۱۲ اپنے کینہ توز دل کا یوں نکالا حوصلہ
میرے سر پر ظلم و ایذا کے نہ کیا آرے چلے
جو بلائیں مجھ پہ آئیں۔ اُن سے ہر کوئی بچے
تیغ ابرو۔ تیر مژگاں سے نہ کانپا تھا جو دل
۱۶ رنج قیدِ سخت سے ہونے کو تھا اب مضمحل
دیکھکر چاروں طرف یہ ڈھنگ بندوبست کے
سچ اگر پوچھو تو چھکے چھوٹنے کو تھے مرے
ہول اُٹھتا تھا کدھر کو جاؤں اور اب کیا کروں
۲۰ کس طرح رستا رہائی کا کوئی پیدا کروں
ہفتخواں کیا؟ پیش آئے جو مجھے ہفتاد خواں
کس طرح صاف اُن سے نکلا ہو سکے کیونکر بیاں
شوق دل ہی منزل مقصود کا تھا رہنموں
۲۱ ورنہ کیا ہستی مری؟ اک قطرۂ ناچیز ہوں
سنگلاخ آکر ہوئے رستے میں کیا کیا سنگ راہ
میں نے بھی پتھر دھرے چھاتی پہ۔ لیکن کی نہ آہ
کوہ اور ماموں سے بیل میں سر کو ٹکرانا چاہا

۲۸ چیخنا۔ ہنسنا۔ گرجنا۔ اور وتراتا چلا ؛
دِل مرا اس سخت آفت میں رہا ثابت قدم
اس کو کر سکتا نہیں لغزش سے کوئی متہم
دائیں اور بائیں سے مجھ کو کر رہے تھے سنگسار
۳۲ میں سمجھتا تھا مگر امرت کی اس کو اِک پھوار
میں نے اس پر بھی کیا صبر اور یہ سب کچھ سہا
موذیوں کے واسطے منہہ سے نہ نکلی بد دُعا
جانتا تھا خُوب کِن کا ہے یہ بے رحمی کا کام
۳۶ غصہ آتا تھا کبھی۔ دِل کھول کر لوُں انتقام
لیکن اس کو بھی میں سمجھا مرضی محبُوب ہے
اور ہوتا ہے رضا سے اسکی جو کچھ خُوب ہے
جی میں آئی گرچہ زحمت میں ہو۔ رحمت کر چلو
۴۰ بارِ منت ان کے سر بدلہ بدی کا دھر چلو
کر چلو تم ان سے نیکی۔ گو انہوں نے کی بدی
کیا کہیں گے کوئی رمتا رام آیا تھا کبھی
سینۂ گنجینۂ سوزِ محبت کھول کر ؛
۴۴ نُور وہ پھیلایا جس سے جگمگا ئے اُن کے گھر
تحفہ وہ بھیجا نہ بھولیں گے جسے وہ پُر جفا
نُور کا بقعہ گھروں کو اُن کے یکسر کر دیا ؛

ہیں سنے اُن سے یہ کیا۔جن سے ملا دکھ اور کلیش
ہوئیں وہ مکھتی جو سراسر ذوش ہو بے خار نیش ۴۸
گو میں درماندہ تھا۔طاقت میں زیادہ ہو گیا
کیا مبارک وقت تھا جب یہ ارادہ ہو گیا
تم نہ فعلِ نیک و بد پر خلق کے رکھو نظر
بس کئے جاؤ بھلائی ہو جہاں تک منعذر ۵۲
جو کرے تم سے بدی اُس سے بھی نیکی ہی کرو
نیست کر دو یوں زمانے سے بدی کے بیج کو
جس کے ساتھ اوّل بدی کی تھی نہ لیتا انتقام
آج دنیا میں بدی کا جانتا کوئی نہ نام ۵۶

۱۱

کونسے تھے وہ مصائب جو مرے سر پہ نہ آئے
شکر ہے امدادِ غیبی کا کہ دشمن در نہ آئے
کیا سنائے جاؤں کاٹے جو مصیبت کے پہاڑ
چل رہی تھی دائیں اور بائیں سے وہ خونخوار باڑ ۴
کر دیا تھا ضربِ پیہم نے مرا چھلنی بدن
ظالموں کو رحم کیا آتا۔کٹھور اُن کا تھا من
پے بہ پے کھائیں پچھاڑیں۔منہ سے کف بہنے لگے
اور آثارِ تنفس سینے میں پیدا ہوئے ۸

تھی یہ حالت جس کو مجھ سے سخت ہوتی دشمنی
وہ بھی کہہ اُٹھتا۔ کہ جانے دو۔ ہے وقتِ جانکنی
تھا دبا دامن مرا سنگِ مظالم کے تلے
پانی پانی جسم سارا تھا۔ مگر لب خشک تھے ۱۲
تھی اذیت جان پر۔ تھا قید سے ازبسکہ تنگ
ایک رنگ آتا تھا چہرے پر۔ اور اک جاتا تھا رنگ
چاہتے تھے دشمنِ جانی وہ قطع انطریق
اپنے دریائے عرق میں ہی میں ہو جاؤں غریق ۱۶
ایسے دریا دل رحیم آئے کئی اک پہرے پاس
تھا جنہیں از حد ترحم اور ہمدردی کا پاس
حلق میں پانی چوایا۔ منہہ پہ چھینٹے بھی دیئے
اُن سے جو کچھ بن پڑا میرے لیے کرتے گئے ۲۰
کیا کہوں۔ آہ! جب دیکھا کہ وہ سب دردمند
میرے ہم مجلس ہوئے۔ میری طرح سے پابند
حملہ جب کرتے تھے دشمن مجھ کو گھیر اور گھوٹ کر
وار اُلٹ کر اک نہ کرتا۔ رہتا میں سینہ سپر ۲۴
ان سلوکوں پر بھی غصہ مطلقاً آتا نہ تھا
بُردباری اور تحمل ہاتھ سے جاتا نہ تھا
جس طرف دیکھوں کھڑی اک قہقہہ دیوار تھی

۲۸ اک نئی آفت جدھر جاؤں ادھر تیار تھی
چاہتے تھے سب کے نرغے میں مجھے پسپا کریں
ورنہ اس زندان کی چکی میں سدا پیسا کریں
آبلوں سے پانو کے دریا کے دریا بہہ گئے
۳۲ پانو بھی چلنے سے ۔ یہ نوبت جو پہنچی رہ گئے
وہ بلائیں سر پہ آئیں۔ خون پانی ہو گیا
حال پتلا کیا ہوا بیں شکل ناتوانی ہو گیا
بارہا تھک کر چٹانوں پہ سر اپنا رکھ دیا
۳۶ چلتے چلتے اس طرح میں دم کے دم سستا گیا
گرچہ میں اس چپقلش میں پانی پانی ہو گیا
شکر ہے صد شکر ہے! دامن نہ میرا تر ہوا
حال مایا کا نہ مجھ کو پابہ جولاں کر سکا
۴۰ غول اس چترنگ سینا کا نہ حیراں کر سکا
اُس بھنور سے صاف نکلا صورتِ برگِ پدم
دل رہا بے لوث اور ثابت رہے میرے قدم
الغرض وہ راہ شاق اس طرح کی مر مر کے طے
۴۴ مختصر سی جس کی کیفیت ۔ یہاں مرقوم ہے
جسم تھا ورماندہ اور اعضا کی حالت تھی سقیم
اس رہِ دشوار میں لیکن رہا دل مستقیم

پانو اکھڑے جسم کانپا بار ہا۔ با ایں ہمہ
۴۸ یہ دلِ مخلص رہا مسعود پر اپنے جما
غالب آیا اُن ستمگاروں پہ استقلال سے
بھاگ گئے پہریدار۔ اور محبس کے پھاٹک کھل گئے
ہوگیا غائب وہ زنداں جو ہوا تھا سدِّ راہ
۵۲ گرد و پیش اپنے جو کی ہیں نے مُسرّت سے نگاہ
چارسُو مجھ کو کھلے میدان ہیں آئے نظر
برق رفتاری سے تھا میں اپنی رَو میں بے خبر
راستے میں نام کو بھی میں نے اب پائی نہ روک
۵۶ طے وہ راہ راست میں کرنے لگا بے روک ٹوک

۱۳

گرم رفتار اس طرح راہِ صنم میں جب ہوا
دُرفشاں چرخِ سعادت پر مرا کوکب ہوا
تھا میں اس رنج و تعب کو یک قلم بھولا ہوا
۴ مستِ جامِ فتح تھا۔ شادی سے تھا پھولا ہوا
دیکھ کر چاروں طرف اپنے یہ جو ڈالی نگاہ
لب پہ تھا اک قہقہہ اور تھی زباں پر واہ واہ
کہہ رہا تھا کوہ بھی ہے کاہ میرے سامنے
۸ کس کی طاقت ہے۔ مجھے روکے ارادے سے مرے

کیا اکڑتا۔ پھپلتا۔ اور جھومتا جاتا تھا میں
جس طرف جی چاہتا تھا گھومتا جاتا تھا میں
چلتے چلتے آئی کانوں میں سہانی اک صدا
میں ذرا ٹھٹکا کہ دیکھوں کیا ہے یہ دلکش نوا ۱۲
آشنا معلوم ہوتے کان اُس آواز سے
رُوح کو محسوس ہوتا تھا لگاؤ اس ساز سے
دیکھتا کیا ہوں کہ نارد[۲۲] ہیں وہاں بیٹھے ہوئے
بین کندھے پر دھرے۔ ہیں چھیڑتے جاتے ہوئے ۱۶
مسکراتے میری جانب غور سے وہ دیکھ کر
اور شفقت سے یہ فرمانے لگے سُن اے پسر!
ہم نے دیکھا تو ہے عالی ظرف۔ اہل۔ اور ہونہار
تجھ میں وہ اوصاف ہیں جو راہِ حق میں ہیں بکار ۲۰
اس لئے اُن امتحانوں میں تجھے ڈالا۔ کہ ہو
پختگی حاصل ترے عزم فنا فی الذات ہو
پُورا اترا امتحانوں میں تو۔ لیکن سُن ذرا
فتحمندی سے ترے دل میں اہنکار[۲۳] آ گیا ۲۴
بھول مت ناداں! تو اب بھی قطرۂ ناچیز ہے
خالقِ ہر سہ جہاں[۲۴] کے آگے تو کیا چیز ہے؟
دُور کر دل سے اسے۔ یہ زعم باطل ہے ترا

۲۸ راہزن ہے یہ۔ سمجھ اس کو نہ ہرگز رہنما
پڑ کے اس میں ہو گئے ہیں کتنے ہمدوش فنا
یہ تکبّر ہو گیا ہے اُن کو آغوشِ فنا
اور سُن! ہمت پہ اپنی تو نہ کر اتنا گمان

۳۲ تو غرور اتنا نہ کر۔ اور چھوڑ دے یہ آن بان
کوئی احسان ہے کسی کے سر گراں ہو کس لئے
خدمتِ باہمدگر کو سب یہاں پیدا ہوئے
راہ میں سالک تو اپنے جیسے پائے گا کئی

۳۶ تجھ سے بڑھ کر جن رشیدوں نے اُٹھائی ہے کڑی
اُن سے نفرت برتنا خودکشی کی ہے دلیل
تو الگ رہ کر کہیں اُن سے نہ ہو جائے ذلیل
سمجھیو تو اُن کی خدمت تیری وہ خدمت کریں

۴۰ چاہئے اُن کا بھرے دم تو۔ وہ تیرا دم بھریں"
اس ہدایت پر جھکایا میں نے سر سجدہ کیا
اور نمسکار اُن کو کر کے راستہ اپنا لیا

۱۳

قلب پہ میرے مؤثر وہ ہدایت ہو گئی
وہ اہنکار اُڑ گیا۔ اور دور نخوت ہو گئی
خاک کے ذرّوں کو بھی میں نے بٹھایا آنکھ پہ

۴ جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹوں کو بنایا تاجِ سر
گرچہ اب تک جو مجھے حاصل ہُوا تھا تجربہ
خوشگواری سے تھا خالی اور تلخی سے بھرا
اس میں خود غرضی کی بُو تھی۔ جو ہُوا مجھ سے سلوک
۸ میرے دل میں وہ کی اُٹھنے نہیں پاتی تھی ہُوک
دل تک عشقِ حقیقی سے جو مالا مال تھا
اُس پہ تو پہنچا ترا میں اپنا ایسا حال تھا
جو ملا راہِ صنم میں اُس کو میں نے کچھ دیا
۱۲ چھُو گیا جو مجھ سے۔ غنچہ اُس کے دل کا کھِل گیا
میں نے ویرانوں کو شاداب اور خنداں کر دیا
جو بیاباں راہ میں پایا۔ گلستان کر دیا
مجھ کو یہ پدوی ملی دولت کو ٹھوکر مار کر
۱۶ جس زمیں نے پانو میرے چُومے۔ اُگلی سیم و زر
تھا فروتن اور طبیعت میں نہ استکبار تھا
کسرِ نفسی ذات میں تھی۔ طبع میں ایثار تھا
فائدے کو اپنے وہ سب کچھ پھرتے تھے مجھے
۲۰ میری گردِ رہ سے سُوکھے دھانوں کو پانی ملے
چشمۂ فیض اس طرح جب میں گیا عالم کا بن
لگ گئی میری بقا کی دل کو خلقت کے لگن

میں جہاں جاتا سر آنکھوں پر مرے رکھتے قدم
واسطہ جن سے پڑا ابھرنے لگے وہ میرا دم ۲۴
باوجود اس کے بھی دل میں خاکساری ہی رہی
عاجزی خودرفتگی۔ اور انکساری ہی رہی
کشتِ امید اس طرح اک خلق کی سرسبز کی
پر تمنا اور غرض کی دل میں بُو تک بھی نہ تھی ۲۸
اپنے مسلک سے جو ہٹتا بھی میں پر اُپکار کو
پھر پکڑ لیتا تھا رازِ منزلِ [illegible]دار کو
گر نہ تھی نفرت کسی سے۔ تو محبت بھی نہ تھی
خُو میں دلشکنی نہ تھی۔ تو دل میں اُلفت بھی نہ تھی ۳۲
عشقِ خالق کا جو دل میں موجزن طوفان تھا
خدمتِ مخلوق میں آتا تھا مجھ کو اک مزا
تھا اثر دل پر نہ مرے اختلاف۔ اضداد کا
امتیازِ دین و ایماں۔ قوم و ملت کچھ نہ تھا ۳۶
ذہن میں آیا تقیّد اور تعیّن کا نہ فرق
ایک تھے وحدت پسندی کو مری غرب اور شرق
ساری خلقت تھی برابر چشمِ محوِ یار میں
فرق کیا کر سکتا پھر میں بذل اور ایثار میں ۴۰
بذل اور ایثار۔ اس خدمت کو کہنا ہے غلط

میں نے جو پایا۔ دیا۔ ہے بات اتنی سی فقط
اس طرح کرتا چلا میں راہ میں نشکام کرم

۴۴ ورنہ یکساں تھا زمانے کا مجھے ہر سرد و گرم
بیم و اُمید اور غرض سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا میں
ہستئے آفا میں ہستی اپنی کھو بیٹھا تھا میں
جس خودی کی ہو گئی تھی محو دل سے یک قلم

۴۸ بن گیا تھا صورتِ محبوب از سر تا قدم
جب خودی اس طرح میرے دل سے یکسر مٹ گئی
اُس میں باقی رہنے پاتی کیسے پھر تُو ئے دوئی
دیکھتا تھا جس طرف بس ایک شکل آتی نظر

۵۲ بن گیا تھا صورتِ محبوب عالم سر بسر
جو مُنی نے کی تھی پیشنگوئی سچی ہو گئی
مل گئے دو ہم سفر۔ منزل وہ ہلکی ہو گئی

۱۴

آخر کار آئی اب وہ فضل حق سے نیک گھڑی
ابتدا سے جس کی دھن تھی۔ اور جس کی لو لگی
پریم کا آیا نظر مجھ کو سمندر سامنے

۴ مرکزِ ارض و سما۔ عالم کا محور سامنے
اس کے درشن پا کے پرمانند حاصل ہو گیا

آتما پرماتما میں جا کے واصل ہو گیا
اُس نے آغوشِ کرم میں مجھ سے عاجز کو لیا
۸ اس طرح اک جزوِ احقر واصلِ کل ہو گیا
قطرۂ ناچیز جو تھا اب سمندر ہو گیا
ذرّہ ذات اپنی مٹا کر نورِ خاور ہو گیا
خواہشوں سے ہو کے وارستہ ہُوا حاصل وصال
۱۲ جب خودی کو محو کر بیٹھا۔ تو پایا وہ جمال
عشق میں جو جل بجھا وہ عالم آرا ہو گیا
داغِ دل افلاک کی آنکھوں کا تارا ہو گیا
یوں تو ہے یہ کہنے سننے کے لئے عرف ایک بات
کیجئے گر غور۔ تو ہے رہبرِ راہِ نجات

۱ لکشمی ۔ خوشحالی اور فارغ البالی دینے والی دیوی ۔

۲ یکش ۔ یہ ایک قوم کا نام ہے جو کہا جاتا ہے کہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں رہتی ہے ۔ لنکا سے بھی ان کا تعلق ہے + ایک قوم یکو ۔ Yakkhas لنکا اور ہمالیہ دونوں جگہ اب تک پائی جاتی ہے یکش دُنیا کی مال و دولت کے خازن ہیں

۳ کُوبیر یکشوں کے راجہ اور لنکا کے راجہ راوَن کا بھائی دُنیا کی مال و دولت کا تحویلدار رہا ہے +

۴ سونے کی لنکا ۔ ثروت دُنیاوی کی اعلیٰ ترین تسخیر بعض کو سونے کی لنکا سے تعبیر کرتے ہیں + اہل ہنود میں عام یقین ہے کہ راوَن کی لنکا سونے کی تھی وہ سمندر میں غرق ہو گئی ۔ اسکی جگہ یہ نیا جزیرہ نکل آیا ۔ چونکہ یکشوں کے ہاتھ میں دُنیا کی مال و دولت تھی اور اُن کا لنکا سے بھی تعلق تھا ۔ اُنہوں نے ضرور لنکا کو زر و جواہر سے بھر دیا ہوگا ۔ تواریخ قدیم سے ثابت ہے کہ براعظم اٹیلینٹس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہوا ۔ اور اُس کا آخری ٹکڑا قدیم لنکا تھی ۔

۵ لوبھ ۔ طمع ۔ لالچ ۔

۶ اندر ۔ اصل تلفظ اِندّر ۔ بہ سکون دال مہملہ ۔ سُرگ کا منصرم ۔ چونکہ یہ لفظ بہ فتحہ دال اُردو میں پہلے سے مستعمل ہے اس لئے وہی تلفظ رہنے دیا ۔

۷؎ پدم (کنول) اور سنکھ۔ کوبیر کا نشان معرکہ ہے۔ مجازاً نشان دولت۔
۸؎ پشپک۔ وہ بادل جس سے ہلکی اور خوشگوار پھوار برسے سنسکرت
کے شعرا اس بارش کو پھولوں کی برکھا اور ایسے بادل کو پشپک کہتے ہیں۔ پشپ
بمعنی پھول۔ پشپاپ بمعنی پھول برسانیوالا۔
۹؎ دوارپال۔ دربان۔
۱۰؎ کل برکش۔ صحیح تلفظ کلپ برکش۔ ایک درخت جسکی پانچ قسمیں ہندوستان
ہمالیہ میں پائی جاتی ہیں + سُرگ کے مشہور ممتاز درخت کا نام جو خلد کے
طوبیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔
۱۱؎ نوعِ انسان کی توسیع و پرورش کا انتظام وشنو کے سپرد ہے وشنو
برسات کے چار مہینے مجازاً سوتے رہتے ہیں۔ طب کے رو سے بھی ہند
کے بیشتر حصوں میں اس موسم میں زن و مرد کی یکجائی ممنوع ہے وشنو نے
شِو کو تاہل پر جبراً و قہراً راغب کیا۔ اسی لئے یہ ہدایت کی گئی۔ یہ اور
اس سے اوپر کا شعر قطعہ بند ہیں۔
۱۲؎ مہادیو (یا شو) جلال۔ ریاضت روحانی اور نفس کشی میں ممتاز
درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کام دیو یا کام (عشق کے دیوتا) کو اپنے
ماتھے سے بجلی نکال کر بھسم کر دیا تھا۔
۱۳؎ شیش ناگ۔ معرفت الٰہی اور فلسفہ روحانیت کا سرچشمہ۔
کشیپ رشی کا بیٹا۔
۱۴؎ بھرماتا ہوا۔ بھٹکتا ہوا۔

۱۵ باسنا - ہوا و ہوس - ارمان -

۱۶ سوہم - لفظی معنے میں وُہی ہوں - فنا فی الذات ہونے کی نہایتائی حالت - تصوف و ویدانت کا اسم اعظم -

۱۷ آتما - رُوح - پرماتما - رُوح کل -

۱۸ ویراگ - حرص و ہوا - شادی و غم یعنی تمام محسوسات بیرونی و جذبات اندرونی سے مبرا ہونا +

۱۹ ببیک - ست اور اَست یعنے حق اور غیر حق میں امتیاز -

۲۰ جوگ (یوگ) وصل حقیقی - ذات باری میں محو ہو جانا -

۲۱ بھگتی - عشق الٰہی

۲۲ برہم گیان - معرفت - عرفان حقیقت

۲۳ کرم - یعنی کرم یوگ - اُن تین مسلکوں میں سے ایک جنکا ذکر بھگوت گیتا میں آیا ہے - ۱ - گیان یوگ - ۲ - بھگتی یوگ - ۳ کرم یوگ -

۲۴ فنا فی الذات - اپنی ذات کو ذاتِ باری میں محو کر دینا - اسی کو وصالِ حقیقی کہتے ہیں -

۲۵ نِروان (موکش یا مکتی) حیات و ممات کے چکر سے رہائی -

۲۶ دیکھو نوٹ ۲۳

۲۷ اَپسرا - سُرگ میں رہنے والی عورتیں جو حسن و جمال میں لاثانی سمجھی جاتی ہیں +

۲۸ بینی (یائے اوّل مجہول) چوٹی -

۲۹ مانی اور بہزاد۔ چین کے دو مشہور مصور جن کا ذکر قدیم زمانہ سے فارسی اور اردو شاعری میں چلا آتا ہے۔

۳۰ جلبانک۔ جس طرح تلوار کے فن کو پھکیتی کہتے ہیں کٹار یا چھرے کے داؤ پیچ کو بانک یا بنکیتی کہتے ہیں + بانک اصل میں ایک قسم کے خنجر یا چھرے کا نام ہے اس کی کسرت عموماً زمین پر بیٹھکر ہوتی ہے + عہد شجاعت میں ہر وقت کے مناسب ہتھیار پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ پیرتے وقت بڑا ہتھیار مثل تلوار کے کام نہیں دے سکتا۔ اس حالت میں دشمن سے مٹھ بھیڑ ہو جائے۔ تو بانک سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اس وقت کے داؤ پیچ خاص مقرر کئے گئے جو خشکی کے داؤ پیچ سے مختلف ہیں + بانک کا فن خشکی سے اور جلبانک کا فن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تری سے مخصوص ہے +

۳۱ شام بیل۔ ایک نہایت خوبصورت بیل جو درختوں کو لپیٹ کر اوپر تک چڑھ جاتی ہے +

۳۲ اندراسن (دال ساکن) اندر کے رہنے کا مقام

۳۳ کامراج۔ کام یا کام دیو (عشق کا دیوتا) کے رہنے کا مقام۔ کام دیو کی شکل ایک معصوم بچے کی سی ہے۔ جو پھولوں سے آراستہ تیر دلوں پر مارتا ہے۔ اور انہیں عشق سے متاثر کر کے حسن کی طرف کھینچتا ہے عجب نہیں کہ یونانیوں نے کام دیو سے ہی کیوپڈ کا وجود پیدا کیا +

۳۴ پریم رس۔ شراب محبت

۳۵ پھولوں کی چھڑی۔ دیکھو نوٹ ۳۳ کا اخیری حصہ۔ اس کے

اگلے دو شعروں کا مطلب صاف کرنے کو دیکھو نوٹ ۱۲ ھ

۳۶ھ رجز خوانی - شخص جنگ میں اپنی لڑائی اور مقابل کو جان بچا کر بھاگ جانے کی ترغیب دینے کے لئے جو تقریر ہوا کرتی تھیں +

۳۷ھ اس شعر کا مضمون غنی کے ایک مشہور مطلع سے لیا گیا ہے +

شُد ز مے میان تو شده کراں پن
کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن +

۳۸ھ اندر کا ظالم اور دلربا ہتھیار - اپسراؤں کو اندر کا حسین و غیرہ ہتھیار کہا گیا ہے - کیونکہ وہ ان کے ذریعے سے تپسیوں اور عابدوں کا امتحان لیا کرتا ہے یہ دیکھنے کو کہ وہ کہاں تک اپنے حواس اور خواہشوں پر قابو رکھتے ہیں + دیکھو بجرم اور وسی) ایکٹ اول مصنفہ کالیداس

۳۹ھ اسوک - ایک سرخ پھول کا درخت - ہندی شاعری میں کہتے ہیں کہ جب نوجوان حسین عورتیں اس درخت کو ٹھوکر لگاتی ہیں تو اس میں شگوفہ پھوٹ نکلتے ہیں آیوربیدک طب میں اس درخت کا طبی خواص یہ ہے کہ کئی زنانی شکایتوں میں مفید ہے اور دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے +

۴۰ھ کام لوک - کامراج کا مترادف -

۴۱ھ ہفتخوان - ہفتاد خوان - کیکاؤس کو دشمن پکڑ لے گئے اور ماژندران میں قید رکھا - رستم اس کے چھوڑانے کو گیا - یہ مقام سات منزل تھا - ہر منزل پر روز ایک نئی آفت کا سامنا ہوتا + رستم ان سب مشکلوں پر غالب آ کر کیکاؤس کو چھڑا لایا (ہفتاد ستر) یہاں یہ مراد ہے کہ ہمارے ہیرو کو رستم

کہ اس سفر سے ذہن گینی مشکلیں پیش آئیں +

۴۲ چتر نگ سینا - چترنگ بمعنی چار قسم کی سینا - فوج - قدیم زمانہ میں ہندوؤں کے ہاں فوج چار قسم کی ہوتی تھی + رتھ - گھوڑے - ہاتھی - اور پیدل - جن کا خلاصہ شطرنج کی بساط پر دیکھا جاتا ہے شطرنج کے موجد اہل ہند تھے اور یہ لفظ خود چترنگ سے بگڑا ہوا ہے - یہاں مراد ہے اُن چار زبردست طاقتوں سے جو اکثر انسانوں کے دلوں پر مسلط ہو جاتی ہیں یعنی لوبھ - موہ - کام اور کرودھ

۴۳ نارومنی - تمام منیوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں - موسیقی کے موجد مانے جاتے ہیں ہمیشہ بین ان کے پاس رہتی ہے - ان کا کام ہے سالک کو آزمائش میں ڈالنا +

۴۴ اہنکار - تکبر - خود بینی -

۴۵ خالق ہر سہ جہاں - ہندوؤں میں یہ تین لوک یا جہان مانے جاتے ہیں پرتھوی لوک - انترکش لوک - سُرگ -

۴۶ پوتر - مقدس + جاترا - زیارت - اعتقادی سفر -

۴۷ نشکام کرم - محض حسب تقاضائے فرض منصبی ایک کام کرنا جو لوث غرض سے پاک ہو +